قرآن کی معاشی اصطلاح "العفو" کا مفہوم

ڈاکٹر نور محمد غفاری

یسئلونك ماذا ینفقون ط قل العفو (۲ - ۲۱۹)

ترجمہ: وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو۔

تعارفِ موضوع "العفو" کی تفسیر اور اس کے صحیح مفہوم کے بارے میں ہمارے مذہبی اسکالرز اور مسلم معیشت دانوں میں بہت زیادہ اختلاف سُننے اور دیکھنے میں آتا ہے اس اختلاف کے جو مختلف نتائج سامنے آئے ہیں۔ ان کی چند صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ بعض علماء اور اسلامی معیشت دان "العفو" کو انفاق فی سبیل اللہ کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق جو کچھ ضروریات اصلیہ ( ) سے بچ جائے وہ اللہ کریم کی رضا کی خاطر اس کے محتاج بندوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

۲۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ "العفو" کا مطلب "اصل" ( ) کو باقی رکھ کر اس کے منافع اور ثمرات کو اللہ کریم کی رضا کی خاطر خرچ کیا جائے۔

۳: ایک دوسری رائے کے مطابق "العفو" کا حکم زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ صرف صدقات نافلہ ( ) تک محدود ہے۔

۴۔ "العفو" کا حکم فرضیت زکوٰۃ سے قبل تھا۔ آیاتِ زکوٰۃ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا جبکہ دوسری طرف ایسے علماء بھی ہیں جن کی رائے میں یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہوا۔

اختلاف کی وجوہ اس علمی اور فکری اختلاف کی وجوہ مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ اس کی اوّلین وجہ قرآن حکیم کی یہ معجزانہ خصوصیت ہے کہ اس کی آیات (صرف چند احکامات کی آیات کو چھوڑ کر) کا جو مفسر جو بھی مفہوم لے اس کے حق میں اس کو بہت سے دلائل مل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی گمراہ شخص اس سے اپنی گمراہی کے دلائل تلاش کرے تو اسے بھی مایوسی نہیں ہو گی۔ اس حقیقت کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ کیا ہے۔

"یضل به کثیرًا ویهدی به کثیرًا ط وما یضل به الا الفٰسقین ● الّذین ینقضون عهد الله من بعد میثاقه ویقطعون ما امر الله به ان یوصل ویفسدون فی الارض اولٰئك هم الخٰسرون ● (البقرة: ۲۶ - ۲۷)

ترجمہ: گمراہ بھی کرتا ہے بہتوں کو اسی سے اور راہ بھی دکھاتا ہے بہتوں کو اسی سے ہاں وہ گمراہ کسی کو (بھی) اس سے نہیں کرتا بجز بے حکمی کرنے والوں کے۔ جو اللہ سے اس کے معاہدہ کو اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے حکم دیا تھا جوڑے رکھنے کا اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ تو بس یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔

۲۔ اس اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ "العفو" قرآن حکیم کی متشابہات[1] میں سے ہے لہذا اس کے مفہوم میں اختلاف ایک فطری بات ہے۔

---

[1] یاد رہے کہ قرآنی آیات کو اصول تفسیر کے ماہرین نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔

۱۔ وہ آیات جن کے احکامات اور مفہوم واضح ہے، انہیں محکمات کہا جاتا ہے۔

۲۔ وہ آیات جن کے احکامات واضح نہیں انہیں متشابہات کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے ان دونوں قسم کی آیات کا ذکر اس آیت شریفہ میں کیا ہے۔

"هو الّذی انزل علیك الکتاب منه اٰیٰت محکمٰت هن ام الکتاب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اس اختلاف کی ایک اور وجہ نظریات کا اختلاف بھی ہوتا ہے ۔ وہ مسلم معیشت دان جو سرمایہ دارانہ نظام کی غیر فطرتی ( ) اونچ نیچ دیکھ کر جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک طرف بے رحم سرمایہ دار اپنی اس بے حساب دولت (جو انہوں نے دراصل غریبوں کا استحصال کرکے ہی کمائی ہوتی ہے) کو بے جا تعیشات اور رنگ رلیوں میں اڑا رہے ہیں اور دوسری طرف ایسے کنگال بھی ہیں جو اپنی بنیادی ضروریات[له] زندگی سے بھی محروم ہیں یا اگر

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) واخر متشٰبھٰت ۔ فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ ط والرٰسخون فی العلم یقولون امنا بہ کل من عند ربنا ج وما یذکر الا اولوالالباب (آل عمران : ۵)

ترجمہ : وہ ہی خدا ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے ۔ اس میں محکم آیتیں ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں ۔ سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے (اس حصّہ کے) پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے ۔ شورش کی تلاش میں اور اس کے (غلط) مطلب کی تلاش میں درآنحالیکہ کوئی اس کا (صحیح) مطلب نہیں جانتا بجز اللہ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے (وہ) سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں ۔

له بنیادی ضروریات زندگی کے تعین میں بھی معیشت دانوں کا اختلاف ہے ۔ ان کا دائرہ وقت ، علاقہ اور آب و ہوا کے اختلاف کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے ۔ ایک چیز مثلاً ریفریجریٹر پاکستان میں بنیادی ضرورت نہیں ، یہی افریقہ کے دہکتے ہوئے صحرائی علاقہ میں بنیادی ضرورت بن جاتی ہے بعض معیشت دانوں نے مختلف ممالک کے معاشی حالات اور اجرتوں کو پیش نظر رکھ کر ایک اندازہ قائم کیا ہے کہ جس فرد کی آمدنی اتنی ہو یا سرکار اسے اتنا وظیفہ دے جس سے وہ اپنی ضروریات خرید سکے ۔ جدید معیشت دانوں نے اس تصور کا نام "غربت کا خط" ( ) دیا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

انہیں میسر بھی ہیں تو نہ ہونے کے برابر۔ تو یہ معیشت دان (جو دراصل اپنے غریب بھائیوں کا دل میں درد رکھتے ہیں) اللہ کریم کے ارشاد "العفو" کا سہارا لے کر یہ درس دیتے ہیں کہ اغنیا اگر اپنا وہ مال جو ان کی ضروریات اصلیہ سے بچ جاتا ہے۔ وہ سارے کا سارا اپنے غریب بھائیوں

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ہے۔ بہر حال اس امر پر تمام معیشت دانوں کا اتفاق ہے کہ بنیادی ضروریات زندگی میں خوراک، لباس، مکان، علاج، نکاح اور تعلیم شامل ہیں البتہ زمان و مکان کے اختلافات کی وجہ سے ان کے معیار اور نوعیّت میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں بنیادی ضروریات زندگی کا کیا نظام ہے۔ یہ مستقل موضوع ہے جس پر ایک مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے یہاں صرف مشہور فقیہ اور مختار الکونین کے مصنف کا ایک جامع قول نقل کیا جاتا ہے۔

یہ بات جان لینا چاہیے کہ انسان کی ضروریات زندگی میں تین چیزیں لازمی ہیں۔ مرد ہو یا عورت سب اس میں برابر ہیں اس لیے زندگی کی بقاء۔ عبادت الٰہی کے لیے طمانیت اور بقائے نسل ان تینوں امور سے ہی وابستہ ہے۔ اس لیے خلیفہ (امام) کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر انسان کے لیے خواہ وہ دولت مند ہو یا غریب مرد ہو یا عورت اس کے حالات و ضروریات کے پیش نظر ان تینوں چیزوں کے حصول کے لیے ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچائے اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ کھانے پینے کی سہولت۔ ۲۔ لباس کی سہولت خواہ وہ روئی کا ہو یا کتان کا ہو یا اُون کا ہو یا کسی بھی چیز کا ہو اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں انسانی حیات کے لیے لازمی ہیں۔

۳۔ ازدواجی زندگی کی سہولت اس لیے کہ یہ بقائے نسل کے لیے ضروری ہے۔ (مختار الکونین قلمی نسخہ، ص ۴۴، بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۹، ص ۱۵۲ - ۱۵۳ -

بدائع الصنائع کے مصنف نے بنیادی ضروریات زندگی میں خادم کا بھی اضافہ کیا ہے۔

"فان کان للمنفق علیه خادم یحتاج الی خدمته تفرض له ایضاً

(بدائع الصنائع، ج ۴، ص ۳۸)

ترجمہ: اگر صاحب حاجت اپنی اہم ضرورت کی بنا پر کسی خادم کا محتاج ہو تو اس کے لیے خادم مقرر کیا جائے۔

میں تقسیم کر دیں اور ان کے فاضل مال سے انکی بھوک کا بھی علاج ہو جائے[1] اور وہ بھی اللہ کریم کی زمین پر اس جذبہ کے ساتھ زندگی گذاریں کہ انہیں بھی ان کے خالق کریم نے ان اغنیاء کے برابر اور ان کا بھائی بنا کر پیدا کیا ہے اور اگر ہم میں اور ان میں کوئی فرق ہے تو وہ پرہیزگاری کی وجہ سے ہے، مال و دولت کی وجہ سے کسی طرح بھی نہیں۔

---

[1] مصر کے مشہور ادیب اور عالم مصطفی لطفی منفلوطی مرحوم نے اپنی کتاب " النظرات " میں اس ضمن میں اپنا ایک عجیب وغریب قصہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، میں اپنے ایک غنی دوست کو ملنے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے قیمتی پلنگ پر پڑے کروٹیں بدل رہے ہیں اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے جاتے ہیں۔ میں نے پیار سے پوچھا بھائی! کیا کوئی تکلیف محسوس کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: درد شکم میں مبتلا ہوں، آج کھانا نہایت مزیدار پکا ہوا تھا میں نے زیادہ کھا لیا" میں جھٹ طبیب کے پاس گیا اور دوائی لایا جس نے انہیں آرام دیا۔ ان کے گھر سے نکلا تو راستہ میں میں اپنے ایک غریب دوست کے گھر گیا تو دیکھا کہ وہ بھی پیٹ کے درد میں مبتلا ہیں۔ میں نے شفقت بھرے انداز میں درد کا سبب پوچھا تو کہنے لگے " بھوکا ہوں اور یہی بھوک پیٹ کے درد کی وجہ ہے"۔ میں ان کے لیے تنور سے روٹی لایا۔ انہیں پیش کی اور وہ کھا کر تندرست ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد لکھتے ہیں" کاش کہ اگر میرے اس غنی دوست نے اپنا ضرورت سے زیادہ کھانا میرے غریب دوست کو دیا ہوتا تو دونوں کے درد شکم کا علاج ہو جاتا۔ دراصل سرمایہ دار کی بدہضمی فقیر کی بھوک کا انتقام ہوتی ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں: آسمان بارش برسانے میں بخل نہیں کرتا نہ زمین غلہ اگانے میں بخل کرتی ہے۔ البتہ مالدار (طاقتور) کمزوروں (اور غریبوں) کے پاس یہ چیزیں دیکھ کر جل جاتے ہیں وہ ان چیزوں کے غریبوں تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں جس کے نتیجہ میں محتاج اور پریشان حالی کا شکوہ کرنے والوں کا ایک طبقہ وجود میں آتا ہے۔ دراصل غریب کا حق دبانے والے سرمایہ دار ہیں نہ کہ زمین و آسمان۔

"العفو" کا صحیح مفہوم

"العفو" کا صحیح مفہوم ہمارے مفسرین اور علماء کرام کے نزدیک کیا ہے؟ اس کے جواب میں اس مقالہ میں قدماء کی عربی تفاسیر اور دور جدید کے مفسرین کی عربی اور اردو تفاسیر کے حوالہ جات درج کیے گئے ہیں۔ مقالہ نگار نے اپنے رائے دینے سے گریز کیا ہے۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں آپ خود ہی اندازہ فرمالیں کہ ہمارے مفسرین حضرات کے نزدیک اس قرآنی حکم کا کیا مدعا ہے؟

اردو تراجم و تفاسیر

۱۔ شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ

"اور سوال کرتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں، کہہ زیادہ حاجت سے"

۲۔ مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

"اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں، تو کہہ جو افزود ہو"

۳۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ دیجیئے جو بچے خرچ سے"

تفسیر: "لوگوں نے پوچھا تھا کہ مال اللہ کے واسطے کس قدر خرچ کریں۔ حکم ہوا جو اپنے اخراجات ضروری سے افزود (زائد) ہو کیونکہ جیسا آخرت کا فکر ضروری ہے، دنیا کا فکر بھی ضروری ہے۔ اگر سارا مال اٹھا ڈالو تو اپنی ضروریات کیونکر پوری کرو اور جو حقوق تم پر لازم ہیں ان کو کیونکر ادا کرو، معلوم نہیں کس کس خرابی دینی اور دنیوی میں پھنسو"۔[۱]

۴۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: "اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں۔ آپ فرما دیجیئے جتنا آسان ہو"

---

[۱] قرآن مجید: مولانا محمود الحسنؒ کے ترجمہ پر حاشیہ، آیت نمبر ۲۱۹

تفسیر: جتنا آسان ہو کہ اس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں نہ پڑ جاؤ۔[1]

۵۔ مولانا احمد سعید سحبان الہند رح

ترجمہ: "لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ فرما دیجیے جو ضرورت سے فاضل ہو"

تفسیر: اے پیغمبر لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کیا کریں اور کس قدر خرچ کیا کریں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو جس کا خرچ کرنا آسان اور سہل ہو۔[2]

۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: "اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے"

تفسیر: اس آیت کریمہ کا حکم صدقات نافلہ اور خیرات وغیرہ سے متعلق ہے کیونکہ صدقات واجبہ زکوٰۃ، عشر اور صدقۂ فطر وغیرہ کے خرچ کی مقدار تو مقرر کر دی گئی ہے۔ دوسرے اس آیت میں ضرورت سے زیادہ مال خرچ کرنے کا ارشاد ہے مگر اس کی تصریح نہیں کہ ضرورت سے زائد جتنا مال ہے وہ سب خرچ کر دینا چاہیے یا کچھ آئندہ ضرورت کے لیے ذخیرہ کرنا بھی جائز ہے۔ اسی لیے اولیاء امت میں دونوں طرح کے حضرات ہوئے ہیں۔ بعض تو بالکل ذخیرہ کرنے کو مذموم سمجھتے ہیں۔ صحابہ کرام میں سیدنا ابو ذر غفاری رض کا مذہب یہی تھا۔ اکابر اولیاء اللہ میں بہت سے حضرات کا یہی مذاق تھا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی معمول تھا کہ ہر ہفتہ گھر کی تلاشی لی جاتی تھی جو چیز نقد یا سامان ضرورت سے زائد نظر آتا، سب خیرات کر دیا جاتا تھا۔

دوسرے بعض حضرات آئندہ ضرورت کے لیے کچھ بچانے کو بھی برا نہیں سمجھتے تھے صحابہ کرام رض میں ایک کافی بڑی جماعت ایسی بھی تھی جو اغنیاء صحابہ کرام سے معروف

---

[1] بیان القرآن: ترجمہ و تفسیر سورہ "البقرۃ"، آیت نمبر ۲۱۹

[2] کشف القرآن: سورۃ "البقرۃ"۔ آیت نمبر ۲۱۹

تھی اور ان کی وفات کے بعد ان کی میراث میں بڑی بڑی رقمیں وارثوں کو ملیں۔
قرآن مجید میں الفاظ کا یہ ابہام دونوں طبیعتوں میں گنجائش دے رہا ہے[1]

۷۔ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: "تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا دیویں (خدا کی راہ میں) کہہ دے حاجت سے زیادہ دو"

تفسیر: لوگوں نے سوال کیا کہ کس قدر دیں؟ فرمایا حاجت سے جو زیادہ ہو۔ اس سے صدقۂ نافلہ مراد ہے[2]

۸۔ مولانا احمد رضا خان صاحب

ترجمہ: "اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ تم فرماؤ جو فاضل بچے"

تفسیر: ابتدائے اسلام میں حاجت سے زائد مال خرچ کرنا فرض تھا۔ صحابہ کرامؓ اپنے مال میں سے اپنی ضرورت کا لے کر باقی سب راہ خدا میں تصدق کر دیتے۔ یہ حکم دیت زکوٰۃ سے منسوخ ہو گیا[3]

۹۔ پیر کرم شاہ صاحب الازہری

ترجمہ: "اور پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں، فرمائیے جو ضرورت سے زیادہ ہو"

تفسیر: اس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی درس عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گرد و نواح اور پڑوس میں کئی غریب، مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں۔ وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوٰۃ ادا کر کے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضروریات سے زائد جو سرمایہ ہے، اس سے وہ اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرورت میں مدد کیا کریں[4]

---

[1] مفتی محمد شفیعؒ: معارف القرآن، ج ۱، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹

[2] تفسیر حقانی: جلد ۱، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۱۹

[3] القرآن الحکیم مع تفسیر مولانا سید محمد نعیم الدین، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۱۹

[4] ضیاء القرآن: ج ۱، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹

۱۰۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: "اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کتنا خرچ کریں تو ان کو سمجھا دو کہ جتنا (تمہاری حاجت سے) زیادہ ہو"۔

۱۱۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

ترجمہ: "پوچھتے ہیں، ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو"[۱]

سید صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں کچھ نہیں لکھا کیونکہ ترجمہ سے ہی بات واضح ہوگئی ہے۔

۱۲۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: "اور (لوگ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ جتنا آسان ہو"

تفسیر: اور اس آسانی کا معیار بقول مفسر تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ اس سے کسی حقدار کا حق ضائع نہ ہو اور اپنے ضروری مصارف میں تنگی نہ پڑے۔ "عفو" سے مراد بس اتنا خرچ کرنا ہے جو اپنے اوپر بار نہ ہو[۲]

۱۳۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: "اور تم سے پوچھتے ہیں (راہ حق میں خرچ کریں تو) کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو جس قدر (تمہاری ضروریاتِ معیشت سے) فاضل ہو"

تفسیر: دوسرا سوال یہ تھا کہ مصارف جنگ اور اسی طرح کی دوسری قومی ضرورتوں کے لیے کس قدر انفاق کیا جائے؟ فرمایا، کوئی خاص قید نہیں۔ ضروریات معیشت سے جو کچھ فاضل ہو کر بچ رہے اسے راہ مقصد میں لگا دو[۳]

---

[۱] تفہیم القرآن، ج ۱، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ص ۱۶۷

[۲] القرآن الحکیم، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۱۹

[۳] ترجمان القرآن، جلد ۱، سورۃ البقرہ : ۲۱۹

۱۴۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

ترجمہ: "اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے جو بچے"

۱۵۔ مولانا فتح محمد خاں جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: "اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔"

۱۶۔ مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی

ترجمہ: "اور پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جو کچھ ضرورت سے بچ رہے۔"

تفسیر: مولانا نے اس آیت کی تفسیر میں بہت عمدہ بحث کی ہے جسے ان کی تفسیر پارہ دوم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں ان کی بحث کا خلاصہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

"بہر حال آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اصل کو باقی رکھ کر عفو کو ملی ضروریات اور اسلام کے تحفظ کے لیے خرچ کر دینا چاہیے اور خرچ کا پیمانہ عفو تک ہی رکھنا چاہیے۔ اصل تک نہ جانا چاہیے۔ گویا اس سوال کا جواب کہ تحفظ ملت کی خاطر جہاد بالمال یا انفاق کی مزید ذمہ داریاں جو مسلمان پر عائد ہوتی ہیں، اس کی حدود کیا ہیں؟ قرآن نے یہ بتا دیا ہے کہ اس کی حد یہ ہے کہ اصل کو محفوظ رکھ کر عفو کو اللہ کی راہ میں دے دو۔ خبر نہیں کہ عام لوگوں نے اس آیت سے یہ بات کیسے سمجھ لی ہے کہ ـــ مالدار لوگوں پر اس حد تک مزید انفاق مال کی ذمہ داری ہے جس حد تک اہل حاجت کی حاجت روائی اور اجتماعی امور کی انجام دہی کے لیے درکار ہو۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مالدار لوگوں پر اس حد تک انفاقِ مال کی ذمہ داری ہے جب تک اصل کے ساتھ عفو موجود ہے۔ قرآن مجید کی رو سے جیسے کوئی شخص اس کا مجاز نہیں کہ عفو کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے ایسے ہی کوئی اس کا مکلّف نہیں کہ اصل کو ختم کرکے دربدر بھیک مانگتا پھرے[1]

[1] مولانا محمد علی کاندھلوی معالم القرآن، ج ۲، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۱۹

عربی تفاسیر میں "العفو" کا مفہوم

ا۔ عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمۃ اللہ علیہ

"والعفو" ماسهل وتيسر وفضل، ولم يشق على القلب اخراجه وعنه قول الشاعر

خذي العفو مني تستديمي مودتي
ولا تنطقي في سورتي حين اغضب

فالمعنى: انفقوا ما فضل عن حوائجكم، ولم تؤذوا فيه انفسكم فتكونوا عالة...... قال جمهور العلماء: بل هي النفقات التطوع۔ وقيل هي منسوخة حتى نزلت آية الزكوٰة المفروضة، فنسخت هذه الاية۔ وقال قوم: هي محكمة، وفي المال حق سوى الزكوٰة[1]

ترجمہ: عفو کے لغوی معنی ہیں جو سہل ہو، آسان ہو اور ضرورت سے فاضل ہو۔ جس کا قبضہ سے نکالنا دل پر بار نہ بنے۔ انہی معنی کی تائید میں شاعر کا یہ شعر ہے۔

ترجمہ: مجھ سے اتنا ہی مطالبہ کر جو میں آسانی سے کر سکوں۔ اس طرح میری محبت تیرے لیے دیرپا ثابت ہوگی اور جب میں غصہ کی حالت میں ہوں تو میری سؤادبی نہ کرنا۔

العفو کے معنی ہیں جو کچھ تمہاری حاجات اصلیہ سے بچے وہ (اللہ کریم کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس بارے میں اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالو مبادا خود مفلس بن جاؤ .... جمہور علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ العفو سے مراد رضاکارانہ اخراجات ہیں (نہ کہ واجبی اخراجات)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب فرض زکوٰۃ کی آیت نازل ہوئی تو اس نے اس آیت کو منسوخ

---

[1] الجامع لاحکام القرآن، الجزء الثالث، القاہرہ مطبعۃ دار الکتب المصریۃ ۱۳۷۶ھ، ۱۹۶۷ء ص ۶۱-۶۲

کر دیا۔ ایک دوسری جماعت (علماء اسلام) کی رائے ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے (منسوخ نہیں اور اس پر عمل کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے) "اور تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے"

۲۔ امام الشوکانی۔ محمد بن علی

"العفو ما یفضل عن اهلك، الفضل عن العیال ..... مالم تفرض فیه فریضة معلومة (خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی، وابدا بمن تعول)[۱]

ترجمہ: العفو وہ مال ہے جو تیرے اہل وعیال کی ضروریات سے بچ جائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی مالی فریضہ از قسم والدین یا رشتہ داروں کی کفالت، قرض حسنہ کی ادائیگی ضمانت وغیرہ، نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بہتر صدقہ وہ ہے جو غنا چھوڑ کر (یعنی مالدار ہوتے ہوئے) دیا جائے اور انفاق میں ابتداء اس سے کرو جس کا نان ونفقہ تمہارے ذمہ ہو۔

۳۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حبان الاندلسی الغرناطی

"......... قیل فی التطوع وهو قول الجمهور۔ وقیل کان واجب علیهم قبل الزکوٰة ان ینفقوا ما فضل من مکاسبهم عن ما یکفهم فی عامهم ثم نسخ ذلك بآیة الزکوٰة۔ والعفو ما فضل عن الاهل والعیال[۲]

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ "العفو" کا حکم رضاکارانہ ہے یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم (عفو کو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنے کا) زکوٰۃ

---

[۱] الشوکانی فتح القدیر فی التفسیر، الجزء الاوّل، مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، بمصر ۱۳۴۹ھ ص ۱۹۵

[۲] البحر المحیط، الجزء الثانی، مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظۃ، مصر الطبعۃ الاوّل، ص ۱۵۸

کی (فرضیت) سے پہلے تھا اور اس کی صورت یہ تھی کہ جو کچھ ان کی کمایوں میں سے بچے وہ ان کے عام لوگوں کی کفالت کے لیے خرچ کریں۔ پھر آیت زکوٰۃ نے اس کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔

العفو" یہ ہے کہ جو کچھ اپنے اہل وعیال کے اخراجات سے بچ جائے۔

۴۔ الزمخشری، محمود بن عمر الزمخشری رحمۃ اللہ علیہ

"العفو نقیض الجهد وهو ان ينفق مالا يبلغ انفاقه منه الجهد واستفراغ الوسع"[1]

ترجمہ: العفو تنگی کی ضد ہے اس کا مدعا اتنا خرچ کرنا ہے جو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ وسعت چھوڑ جائے۔

۵۔ الخازن، علاؤالدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الخازن رحمۃ اللہ علیہ

وذلك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حضهم (اى صحابه رضى الله عنهم) على الصدقة، فقالوا ماذا ينفق؟ فقال الله تعالى: قل العفو، يعنى الفضل، والعفو ما فضل عن قدر الحاجة۔ فكانت الصحابة رضى الله عنهم يكتسبون المال ويمسكون قدر النفقة ويتصدقون بالفاضل بحكم هذه الآية ثم نسخ ذلك بآية الزكوٰة۔ وقيل هو التصدق عن ظهر غنى۔ عن الزهرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى واليد العليا خير من اليد السفلى۔ وابدأ بمن تعول۔ وقيل هو الوسط فى الانفاق من غير اسراف ولا اقتار۔ وقيل هو فى صدقة التطوع اذا كان المراد بهذا الانفاق

---

[1] الکشاف، الجزء الاوّل، المکتبۃ التجارۃ الکبریٰ، بمصر ۱۳۵۴ھ، ص ۱۳۳

الواجب لبين الله قدرة - فلما لم يبين دل ذلك على ان المراد به صدقة التطوع[1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو صدقہ خیرات کرنے کی ترغیب فرمائی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا خرچ کریں؟ تو اس پر اللہ کریم نے ارشاد فرمایا، اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے جو ضرورت سے فاضل ہو

اور "العفو" ایسے مال کو کہتے ہیں جو حاجت سے زائد ہو۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں صحابۂ کرامؓ کا تعامل یہ تھا کہ وہ جو مال کماتے اس میں سے بقدر نفقہ (ذاتی اور اہل وعیال کا) رکھ کر باقی صدقہ کر دیتے۔ پھر آیت زکوٰۃ نے اس آیت کا حکم منسوخ کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بہتر صدقہ وہ ہے جو غنا چھوڑ جائے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بہتر صدقہ وہ ہے جو غنا رکھے ہوتے ہوئے دیا جائے اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنی خیرات وصدقات کا آغاز اس سے کرو جس کا نان ونفقہ تمہارے ذمہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "العفو" فضول خرچی اور کنجوسی کی درمیانی راہ کا نام ہے۔

۶ - ابوجعفر محمد ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ اپنے مالوں میں سے کونسی چیز اللہ کریم کی راہ میں خرچ کریں؟ آپ ان سے کہیئے کہ "العفو" (جو ضرورت سے زیادہ ہو) خرچ کریں۔

اہل تاویل (یعنی مفسرین) کا العفو کے معنی کے تعین میں اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ۶ ـــــ آرار نقل کی ہیں جن کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے[2]

---

[1] الخازن، الجزء الاوّل، نظارۃ المعارف، بمصر، ۱۳۱۷ھ، ص ۱۶۰

[2] ابوجعفر محمد ابن جریر طبریؒ، جامع البیان فی تفسیر القرآن، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۱۹، ص ۲۳۷ - ۲۴۷

۱۔ العفو کے معنی الفضل (جو ضرورت سے زائد ہے) کے ہیں

یہ رائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ، عطار، سدی، ابن زید اور حسن بصری رحمہم اللہ کی ہے۔

۲۔ العفو کے معنی سہولت اور آسانی کے ہیں

یعنی مال میں اتنا اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنا جو مشکل نہ معلوم ہو نہ ہی خرچ کرنے والے کو تنگی میں ڈالے اور جس کے خرچ کرنے کی تاکید نہ کی گئی ہو۔ یہ رائے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

۳۔ العفو کے معنی "الوسط" یعنی فضول خرچی اور کنجوسی کی درمیانی راہ کے ہیں

یہ رائے حسن بصری، ابن جریج اور مجاہد رحمہم اللہ کی ہے۔

۴۔ العفو ہر کم و بیش مال کو کہتے ہیں جو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنے کو دیا جائے

یہ رائے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۵۔ العفو اس مال کو کہتے ہیں جو پاکیزہ اور پسندیدہ ہو

یہ قول ربیع (الرائے)، قتادہ رحمہم اللہ کا ہے۔

۶۔ العفو کے معنی فرض صدقہ کے ہیں

یعنی صرف اتنا خرچ کرو جو فرض کیا گیا ہے۔ یہ رائے قیس بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اس قول کے مطابق مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی رائے

ان سب اقوال کو نقل کرنے کے بعد امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ان سب اقوال میں سے زیادہ مناسب اس مفسر کا قول ہے جس نے کہا کہ العفو سے مراد وہ فاضل مال ہے جو کسی شخص کی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے بعد بچ جائے۔ اس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد روایات ہیں۔ یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ قال قال رجل يا رسول اللہ ﷺ عندی دينار! قال انفقه علی نفسك، قال! عندی آخر!

قال انفقه على اهلك ، قال! عندی اخر ، قال انفقه على ولدك! قال عندی اخر! قال فانت ابصر! (رواہ البخاری فی صحیحہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس دینار ہے۔ آپ نے فرمایا! اسے اپنی ذات پر خرچ کرلو۔ اس نے عرض کیا میرے پاس اس کے علاوہ بھی ہے۔ آپ نے فرمایا! اسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرلو۔ اس نے عرض کیا میرے پاس اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے والدین پر خرچ کرلو۔ اس نے عرض کیا میرے پاس اور بھی ہے۔ آپ نے فرمایا! یہ تمہاری صوابدید پر ہے (بخاری)

۲۔ عن جابر بن عبد اللہ رضی قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اذا کان احدکم فقیرا فلیبداء بنفسہ ، فان کان لہ فضل فلیبدا مع نفسہ بمن یعول ، ثم ان وجد فضلا فلیتصدق علی غیرهم (احمد! مسند ۱۴۳۲۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! جب تم میں سے کوئی تنگدست ہو تو اپنے خرچ کا آغاز اپنی ذات سے کرے۔ اگر اس کے پاس اپنی حاجات سے زیادہ ہو تو اپنے خرچ کا آغاز اپنے اور ان افراد سے کرے جن کی کفالت اس کے ذمہ ہو۔ پھر اگر اس کے پاس اب بھی بچ جائے تو دوسروں کو صدقہ دے۔

۳۔ عن جابر بن عبد اللہ قال! اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ رجل ببیضة من ذهب اصابها فی بعض المعادن فقال! یا رسول اللہ! خذ هذہ منی صدقة ، فواللہ ما اصبحت املك غیرها! فاعرض عنه۔ فاتاہ من رکنه الایمن فقال له مثل ذالك ، فاعرض عنه ، ثم قال له مثل ذلك ، فاعرض عنه۔ ثم قال له مثل ذلك ، فقال! هاتها!

مغضبا فاخذها فحذفه بها حذفة لو اصابه شجّه او عقره - ثم قال! يجئ احدكم بماله فلم يتصدق به، ويجلس يتكفف النّاس! انما الصدقة عن ظهر غنی

(رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں انڈا کے برابر سونا لے کر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول! اسے میری طرف سے صدقہ میں قبول کیجئے - اللہ کی قسم! اس کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا - وہ آپ کی داہنی طرف سے آیا اور اپنا سوال دہرایا - آپ نے اعراض فرمایا - وہ پھر آیا اور اپنا سوال دہرایا - آپ نے منہ پھیر لیا - جب اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تو آپ نے غصہ میں فرمایا! لاؤ - آپ نے وہ سونا پکڑ کر اس شخص کی طرف اتنے زور سے چلایا کہ اگر وہ اسے لگ جاتا تو اُسے زخمی کر دیتا - پھر آپ نے فرمایا تم میں کوئی ایک اپنا سارا مال صدقہ کرنے کیلیے لے آتا ہے اور بعد ازاں خود لوگوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے - صدقہ تو وہی اچھا ہے جو غنا رکے ہوتے ہوئے دیا جائے -

(امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں) ان روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو صدقہ کرنے کی ترغیب صرف ان کے ضرورت سے زائد اموال میں سے دی ہے اور زائد مال ہی کو "العفو" کہا جاتا ہے - کلام عرب میں العفو کا استعمال مال اور ہر ایک شے کے لیے ہوتا ہے اور اس کے معنی زیادتی اور کثرت کے ہیں - اس کی مثال اللہ کریم کا یہ ارشاد ہے - "حتّٰی عفوا"[1] (یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے) یعنی ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا -

علاوہ ازیں قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس خیال کی تائید کرتی ہے - اللہ کریم نے قرآن مجید میں مومنین بندوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے -

---

[1] پوری آیت یوں ہے: "ثم بدلنا مکان السیئة الحسنة حتّٰی عفوا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما"
(الفرقان : ٦٧)

ترجمہ: اور وہ ایسے ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔

ایک دوسری آیت میں راہ اعتدال کی ترغیب ایک دوسرے انداز میں دی :۔

"ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا" (الاسراء ! ٢٩)

ترجمہ: نہ تو اپنے ہاتھ کو (کنجوسی سے) اپنی گردن کے گرد لپیٹ لے اور نہ اسے سارے کا سارا کھول دے اور پھر خود عاجز اور ملامت زدہ ہو کر رہ جاؤ۔

آخر میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ یہ بحث کرتے ہیں" یہ آیت منسوخ نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ آیت زکوٰۃ کا تعلق فرض زکوٰۃ سے ہے جبکہ آیت العفو کا تعلق صدقات نافلہ اور ضرورت سے زائد کے خرچ کرنے سے ہے۔

سیّد قطب

العفو ! الفضل والزیادة ، فکل ما زاد علی الحاجة الشخصیة من احمال فهو محل الانفاق - والزکوٰة وحدها لاتجزی اذن ولا تبرئ الذمة - ان الزکوٰة هی حق بیت المال لینفقه فی مصارفه المحددة - ولکن یبقی بعد ذلك واجب المسلم

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) وقالوا قد مس اٰبآئنا الضراء والسراء فاخذنٰهم بغتة وهم لایشعرون" (الاعراف (٧) - ٩٥

ترجمہ: پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی یہاں تک وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ پہنچتی رہی ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور بھلا ہم نے ان کو ناگہاں اور انکو خبر نہ تھی۔

لله و لعباد الله ۔ والزکوٰۃ لاتأخذ الزیادۃ کلھا والزکوٰۃ کلھا محل للانفاق بھذا النص ولواضح ولقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ! فی مالک حق سوی الزکوٰۃ [1]

ترجمہ: "عفو" کے معنی فضل اور زیادتی کے ہیں ۔ لہٰذا ہر وہ چیز یا مال جو کسی چیز کی اپنی حاجات سے زائد ہو، وہ خرچ کرنے کے لیے ہے ۔ زکوٰۃ تو اس کی ایک صورت ہے جو نہ کافی بھی ہے اور نہ ہی اس کے ذریعے (مالدار اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنے کی ذمہ داری سے) عہدہ برآ ہو سکتا ہے ، کیونکہ زکوٰۃ تو بیت المال کا حق ہے جسے مقررہ مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد بھی مسلمان پر اللہ کریم اور اس کے بندوں کا حق باقی رہتا ہے ۔ زکوٰۃ تو سارے کے سارے زائد (عفو) کو محیط نہیں ہے حالانکہ اس آیت کی رو سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں زیادتی تو ساری کی ساری (اللہ کریم کی راہ میں) خرچ کرنے کے لیے ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "یقیناً تیرے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے ۔"

نتائج بحث

مذکورہ بالا آراء کی روشنی میں مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں :

ا ۔ "العفو" کا حکم اختیاری ہے ، اجباری نہیں ہے ۔ اسلام اپنے پیروکاروں کی اس سپرٹ کے ساتھ تربیت کرتا ہے کہ وہ خود بخود اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں ۔ "العفو" کو نہ خرچ کرنے والے قانونی مجرم نہیں ہیں مگر اخلاقی مجرم ضرور ہوں گے ۔ اور اگر وہ جان بوجھ کر اپنے محتاج ابنائے جنس کی محتاجی دور کرنے کے لیے خرچ نہیں کرتے تو عند اللہ مجرم ہو سکتے ہیں ۔

---

[1] سید قطب ! فی ظلال القرآن ، الجزء الثانی ، الطبعۃ الثانیۃ ، دار احیاء الکتب العربیۃ ، عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاء ، قاھرۃ ۔

۲ - "العفو" تمام فاضل مال کو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنے والا قابل تحسین ہے۔ ایسا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صلحاء امت نے کیا ہے۔ لیکن مالی فرائض ادا کر کے اپنے مستقبل کی ذاتی اور اہل و عیال کی ضروریات کے لیے کچھ بچا کر رکھنے والا کسی طرح مجرم نہیں مگر اسلام کا معاشی اخلاق ایسے لوگوں سے یہ ضرور توقع کرتا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کی بہتری کے ساتھ غریبوں اور محتاجوں کے حال کی اصلاح کی بھی فکر کرے۔

۳ - "العفو" کا حکم زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ زکوٰۃ ایک مالی فریضہ ہے جبکہ "العفو" ایک مالی ترغیب ہے۔ مگر یہ ترغیب اسلام کے عادلانہ نظام تقسیم دولت کی شاہ کلید کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کے ذریعہ گردش دولت کی راہیں کھل سکتی ہیں اس طرح امراء کی دولت سے ان بے نواؤں کو بھی ان کا وہ جائز حصہ مل سکتا ہے جو اللہ کریم نے اغنیاء کے اموال میں حصہ رکھا ہے۔

والذین فی اموالهم حق معلوم ۔ للسائل والمحروم[۲۲]

ترجمہ: اور جن کے مالوں میں سوال کرنے والوں اور محروم لوگوں کا ایک مقررہ حق ہے۔

اور یوں وہ اغنیاء جو غریبوں کو اپنی آسودہ حالی کی داستانیں سنا کر اور ان ہی فقیروں سے اپنے زر و مال اور اثاثوں کی گنتی کرا کر ان کے دل توڑتے ہیں اور ان کی زندگی بدمزہ کرتے ہیں۔ ان فقراء کی مدد کرنے والے، ان کی دعائیں لینے والے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے والے بن جاتے ہیں ۔ وما ذلك على الله بعزيز

اس حکم پر عمل پیرا ہو کر مسلمان سرمایہ دار اور اغنیاء اپنے غریب بھائیوں کو تمام غیر فطری اور لادینی نظاموں کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

" ان فی ذلك لذكرى لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد"

نور محمد غفاری

---

[۲۲] القرآن (الذاریات) ۷۰ : ۲۴ - ۲۵ -